طرح جلائے گا۔ فرمایا کبھی تم بنجر زمین پر گذرے ہو؟ کہا۔ ہاں' فرمایا پھر کبھی اس کو سرسبز و شاداب بھی دیکھا ہے؟ کہا ہاں' فرمایا اسی طرح موت کے بعد زیست ہے۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ الخ یعنی ان منکرین کے لئے مردہ زمین میں بھی ایک نشانی ہے جسے ہم زندہ کرتے ہیں اور اس میں سے دانے نکالتے ہیں جسے یہ کھاتے ہیں اور جس میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کرتے ہیں اور چاروں طرف نہروں کی ریل پیل کر دیتے ہیں تا کہ وہ ان پھلوں کو مزے مزے سے کھائیں حالانکہ یہ ان کے ہاتھوں کا بنایا ہوا یا پیدا کیا ہوا نہیں۔ کیا پھر بھی یہ شکر گذاری نہ کریں گے؟ کوئی زخمی شخص اگر کہے کہ فلاں شخص نے مجھے برانگیختگی کے باعث قتل کیا ہے تو اس کا یہ قول ثبوت سمجھا جائے گا۔ اس مسئلہ پر اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے اور حضرت امام مالک کے مذہب کو اس سے تقویت پہنچائی گئی ہے اس لئے کہ مقتول کے جی اٹھنے کے بعد اس نے دریافت کرنے پر جسے قاتل بتایا' اسے قتل کیا گیا اور مقتول کا قول باور کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ دم آخر ایسی حالت میں انسان عموماً سچ ہی بولتا ہے اور اس وقت اس پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کپڑے اتار لے گیا۔ جب اس کا پتہ نبی ﷺ کو لگا تو آپ نے فرمایا' اس لڑکی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے۔ لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا' ہاں چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا تو حضور نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے اور امام مالک کے نزدیک جب یہ برانگیختگی کے باعث ہو تو مقتول کے وارثوں کو قسم کھلائی جائے گی بطور قسامہ کے لیکن جمہور اس کے مخالف اور مقتول کے قول کو اس بارے میں ثبوت نہیں جانتے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر جیسے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ کے ڈر سے گر گر پڑتے ہیں۔ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ جانو ○

---

**پتھر دل لوگ:** ☆☆ (آیت:۷۴) اس آیت میں بنی اسرائیل کو زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ اس قدر زبردست معجزے اور قدرت کی نشانیاں دیکھ کر پھر بھی بہت جلد تمہارے دل سخت پتھر بن گئے۔ اسی لئے ایمان والوں کو اس طرح کی سختی سے روکا گیا اور کہا گیا اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی کیا اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اللہ کے نازل کردہ حق سے کانپ اٹھیں؟ اور اگلے اہل کتاب کی طرح نہ ہو جائیں جن کے دل لمبا زمانہ گذرنے کے بعد سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے اپنے چچا کے دوبارہ زندہ ہونے اور بیان دینے کے بعد جب مر گیا تو

کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گذر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل پھر پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے کیونکہ پتھروں سے تو نہریں نکلتی اور بہنے لگتی ہیں بعض پتھر پھٹ جاتے ہیں چاہے وہ بہنے کے قابل نہ ہوں۔ بعض پتھر خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں لیکن ان کے دل کسی وعظ و نصیحت سے، کسی پند و موعظت سے نرم ہی نہیں ہوتے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پتھروں میں ادراک اور سمجھ ہے۔ اور جگہ ہے تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا یعنی ساتوں آسمان اور زمینیں اور ان کی تمام مخلوق اور ہر ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو۔ اللہ تعالیٰ حلم و بردباری والا اور بخشش و عفو والا ہے۔ ابوعلی جبائیؒ نے پتھر کے خوف سے گر پڑنے کی تاویل اولوں کے برسنے سے کی ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں، رازی بھی غیر درست بتلاتے ہیں اور فی الواقع یہ تاویل صحیح نہیں کیونکہ اس میں لفظی معنی بے دلیل کو چھوڑنا لازم آیا ہے۔ واللہ اعلم۔ نہریں بہہ نکلنا زیادہ رونا ہے۔ پھٹ جانا اور پانی کا نکلنا اس سے کم رونا ہے۔ گر پڑنا دل سے ڈرنا۔ بعض کہتے ہیں، یہ مجازاً کہا گیا جیسے اور جگہ ہے يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ یعنی دیوار گر پڑنا چاہ رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مجاز ہے۔ حقیقتاً دیوار کا ارادہ ہی نہیں ہوتا۔

رازی رحمۃ اللہ علیہ، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں، ایسی تاویلوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ جو صفت جس چیز میں چاہے پیدا کر سکتا ہے۔ دیکھئے اس کا فرمان ہے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ الخ یعنی ہم نے امانت کو آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے اس کے اٹھانے سے مجبوری ظاہر کی اور ڈر گئے۔ اوپر آیت گذر چکی کہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ[2] یعنی اکاس بیل اور درخت اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں اور فرمایا يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ الخ اور فرمایا قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ زمین و آسمان نے کہا ہم خوشی خوشی حاضر ہیں اور جگہ ہے کہ پہاڑ بھی قرآن سے متاثر ہو کر ڈر کے مارے پھٹ جاتے۔ جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ الخ یعنی گناہ گار لوگ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف شہادت کیوں دی؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم سے اس اللہ نے بات کرائی جو ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرماتا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضورؐ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہو گا، یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت والے دن دے گا اور اس طرح کی بہت سی آیات اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک و حس ہے اور یہ تمام باتیں حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ آیت میں لفظ ''او'' جو ہے اس کی بابت قرطبیؒ اور رازیؒ تو کہتے ہیں کہ یہ تخییر کے لئے ہے یعنی ان کے دلوں کو خواہ جیسے پتھر سمجھ لو یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ رازیؒ نے ایک وجہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ ابہام کے لئے ہے گویا مخاطب کے سامنے باوجود ایک بات کا پختہ علم ہونے کے دو چیزیں بطور ابہام پیش کی جا رہی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ بعض دل پتھر جیسے اور بعض اس سے زیادہ سخت ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس لفظ کے جو معنی یہاں پر ہیں، وہ بھی سن لیجئے۔ اس پر تو اجماع ہے کہ اَو شک کے لئے نہیں۔ یا تو یہ معنی میں واو کے ہے یعنی اس کے دل پتھر جیسے اور اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے جیسے کہ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا

میں اور عُذْرًا اَوْ نُذْرًا میں شاعروں کے اشعار میں او واو کے معنی میں جمع کے لئے آیا ہے یا او یہاں پر معنی میں بل یعنی بلکہ کے ہے جیسے کَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً میں اور اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ میں اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى میں بعض کا قول ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وہ پتھر جیسے ہیں یا سختی میں تمہارے نزدیک اس سے بھی زیادہ۔ بعض کہتے ہیں صرف مخاطب پر ابہام ڈالا گیا ہے اور یہ شاعروں ۔ کے شعروں میں بھی پایا جاتا ہے کہ باوجود پختہ علم و یقین کے صرف مخاطب پر ابہام ڈالنے کے لئے ایسا کلام کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اور جگہ ہے وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی ہم یا تم صاف ہدایت یا کھلی گمراہی پر ہیں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا ہدایت پر ہونا اور کفار کا گمراہی پر ہونا یقینی چیز ہے لیکن مخاطب کے ابہام کے لئے اس کے سامنے کلام مبہم بولا گیا۔ یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل ان دو سے خارج نہیں یا تو وہ پتھر جیسے ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت یعنی بعض ایسے اس قول کے مطابق یہ بھی ہے کمثل الذی استوقد نارا پھر فرمایا او کصیب اور فرمایا ہے کسراب پھر فرمایا او کظلمات مطلب یہی ہے کہ بعض ایسے اور بعض ایسے۔ واللہ اعلم۔ تفسیر ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا اللہ سے بہت دور ہو جاتا ہے امام ترمذی نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اور اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے۔ بزار میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں۔ خوف الٰہی سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا دل کا سخت ہو جانا امیدوں کا بڑھ جانا لالچی بن جانا۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ
بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ
يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

(مسلمانو!) کیا تمہاری خواہش ہے کہ یہ لوگ ایماندار بن جائیں حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو کلام اللہ کو سن کر عقل و علم ہوتے ہوئے پھر بھی بدل ڈالا کرتے تھے ○ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمانداری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمہیں سکھائی ہیں۔ کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ کے پاس تم پر ان کی حجت ہو جائے گی ○ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدگی اور ظاہرداری سب کو جانتا ہے ○

**یہودی کردار کا تجزیہ:** ☆☆ (آیت: ۷۵-۷۷) اس گمراہ قوم یہود کے ایمان سے اللہ تعالیٰ اپنے نبیؐ اور آپ کے صحابہ کو ناامید کر رہے ہیں۔ جب ان لوگوں نے اتنی بڑی نشانیاں دیکھ کر بھی اپنے دل سخت پتھر جیسے بنا لئے اللہ کے کلام کو سن کر سمجھ کر پھر بھی اس کی تحریف اور تبدیلی کر ڈالی تو ان سے تم کیا امید رکھتے ہو؟ ٹھیک اس آیت کی طرح اور جگہ فرمایا فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ الخ یعنی ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے یہ اللہ کے کلام کو رد و بدل کر ڈالا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰؑ کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپؑ سے اللہ کا کلام اپنے کانوں سے

سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پہاڑ پر پہنچ کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب یہ واپس آئے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیلی شروع کر دی۔ سدیؒ فرماتے ہیں' ان لوگوں نے توراۃ میں تحریف کی تھی۔ یہی عام معنی ٹھیک ہیں جس میں وہ لوگ بھی شامل ہو جائیں گے اور اس بدخصلت والے دوسرے یہودی بھی۔ قرآن میں اور جگہ ہے فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ یعنی مشرکوں میں سے کوئی اگر تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اللہ کا کلام اپنے کانوں سے سنے بلکہ قرآن سنے تو یہاں بھی کلام اللہ سے مراد توراۃ ہے۔ یہ تحریف کرنے والے اور چھپانے والے ان کے علماء تھے۔ آنحضرتؐ کے جو اوصاف ان کی کتاب میں تھے' ان سب میں انہوں نے تاویلیں کر کے اصل مطلب دور کر دیا تھا' اسی طرح حلال کو حرام' حرام کو حلال' حق کو باطل' باطل کو حق لکھ دیا کرتے تھے۔ رشوتیں لینی اور غلط مسائل بتانے کی عادت ڈال لی تھی ہاں کبھی کبھی جبکہ رشوت ملنے کا امکان نہ ہوتا' ریاست کے جانے کا خوف نہ ہوتا' مریدوں سے بھی الگ ہوتے تو حق بات بھی کہہ دیا کرتے۔ مسلمانوں سے ملتے تو کہہ دیا کرتے کہ تمہارے نبی سچے ہیں۔ یہ برحق رسول ہیں لیکن پھر آپس میں بیٹھ کر کہتے' عربوں سے یہ باتیں کیوں کہتے ہو۔ پھر تو یہ تم پر چھا جائیں گے۔ اللہ کے ہاں بھی تمہیں لاجواب کر دیں گے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان بیوقوفوں کو کیا اتنا علم نہیں کہ ہم تو پوشیدہ اور ظاہر سب کو جانتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' مدینہ میں ہمارے پاس سوائے ایمان والوں کے اور کوئی نہ آئے تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا' جاؤ کہہ دو ہم بھی ایمان لاتے ہیں اور یہاں آؤ تو پھر ویسے ہی رہو۔ جیسے تھے۔ پس یہ لوگ صبح آ کر ایمان کا دعویٰ کرتے تھے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ قرآن میں ہے وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا' ایمان والوں پر جو اترا ہے اس پر دن کے شروع حصہ میں ایمان لاؤ پھر آخر میں کفر کرو تا کہ خود ایمان والے بھی اس دین سے پھر جائیں۔ یہ لوگ اس فریب سے یہاں کے راز معلوم کرنا اور انہیں اپنے والوں کو بتانا چاہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے تھے مگر ان کی یہ چالاکی نہ چلی اور یہ راز اللہ نے کھول دیا۔ جب یہ یہاں ہوتے اور اپنا ایمان اسلام ظاہر کرتے تو صحابہ ان سے پوچھتے' کیا تمہاری کتاب میں حضورؐ کی بشارت وغیرہ نہیں؟ وہ اقرار کرتے۔ جب اپنے بڑوں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹتے اور کہتے' اپنی باتیں ان سے کہہ کر کیوں ان کی اپنی مخالفت کے ہاتھوں میں ہتھیار دے رہے ہو؟ مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے قریظہ والے دن یہودیوں کے قلعہ تلے کھڑے ہو کر فرمایا' اے بندر اور خنزیر اور طاغوت کے عابدوں کے بھائیو! تو وہ آپس میں کہنے لگے' یہ ہمارے گھر کی باتیں انہیں کس نے بتا دیں' خبردار اپنی آپس کی خبریں انہیں نہ دو ورنہ انہیں اللہ کے سامنے تمہارے خلاف دلائل میسر آ جائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گو تم چھپاؤ لیکن مجھ سے تو کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ یہ جو چپکے چپکے اپنے والوں سے کہتے ہو کہ اپنی باتیں ان تک نہ پہنچاؤ اور اپنی کتاب کی باتوں کو چھپاتے ہو تو میں تمہارے اس برے کام سے بخوبی آگاہ ہوں اور تم جو اپنا ایمان ظاہر کرتے ہو۔ تمہارے اس اعلان کی حقیقت کا علم بھی مجھے اچھی طرح ہے۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ
هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا

قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ان میں سے بعض ان پڑھ ایسے بھی ہیں جو کتاب کے صرف ظاہری الفاظ کو ہی جانتے ہیں اور صرف گمان اور اٹکل ہی پر ہیں ○ ان لوگوں کے لئے ویل ہے جو اپنے ہاتھوں کی لکھی ہوئی کتاب کو اللہ کی طرف کی کہتے ہیں اور اس طرح دنیا کماتے ہیں' ان کے ہاتھوں کی لکھائی کو اور ان کی کمائی کو ویل اور افسوس ہے ○

---

**امی کا مفہوم اور ویل کے معنی:** ☆☆ (آیت:۷۸-۷۹) امی کے معنی وہ شخص جو اچھی طرح لکھنا نہ جانتا ہو امیون اس کی جمع ہے۔ آنحضرت ﷺ کی صفتوں میں ایک صفت ''امی'' بھی آئی ہے اس لئے کہ آپ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔قرآن کہتا ہے وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ یعنی تو اے نبی اس سے پہلے نہ تو پڑھ سکتا نہ لکھ سکتا تھا اگر ایسا ہوتا تو شاید ان باطل پرستوں کے شبہ کی گنجائش ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں' ہم امی اور ان پڑھ لوگ ہیں' نہ لکھنا جانیں نہ حساب' مہینہ کبھی اتنا ہوتا ہے اور کبھی اتنا' پہلی بار تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی کل انگلیاں تین بار نیچے کی طرف جھکائیں یعنی تیس دن کا دو بار اور تیسری مرتبہ میں انگوٹھے کا حلقہ بنا لیا یعنی انتیس دن کا مطلب یہ ہے کہ ہماری عبادتیں اور ان کے وقت حساب کتاب پر موقوف نہیں۔قرآن کریم نے اور جگہ فرمایا' اللہ تعالیٰ نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا۔ امام ابن جریرؒ فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں بے پڑھے آدمی کو ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت ہے کہ یہاں پر امی انہیں کہا گیا ہے جنہوں نے نہ تو کسی رسول کی تصدیق کی تھی نہ کسی کتاب کو مانا تھا اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کو اوروں سے کتاب اللہ کی طرح منوانا چاہتے تھے لیکن اول تو یہ قول محاورات عرب کے خلاف ہے۔ دوسرے اس قول کی سند ٹھیک نہیں۔ امانی کے معنی باتیں اور اقوال ہیں۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے ''کذب''، ''آرزو''، '' جھوٹ کے معنی بھی کئے گئے ہیں' تلاوت اور ظاہری الفاظ کے معنی بھی مروی ہیں جیسے قرآن مجید میں اور جگہ ہے إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ یہاں تلاوت کے معنی صاف ہیں۔شعراء کے شعروں میں بھی یہ لفظ تلاوت کے معنی میں ہے اور وہ صرف گمان ہی پر ہیں یعنی حقیقت کو نہیں جانتے اور اس پر ناحق کا گمان کرتے ہیں اور اوٹ پٹانگ باتیں بناتے ہیں۔ پھر یہودیوں کی ایک دوسری قسم کا بیان ہو رہا ہے جو پڑھے لکھے لوگ تھے اور گمراہی کی طرف دوسروں کو بلاتے تھے اور اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے اور مریدوں کا مال ہڑپ کرتے تھے۔

ویل کے معنی ہلاکت اور بربادی کے ہیں اور جہنم کے گڑھے کا نام بھی ہے جس کی آگ اتنی تیز ہے کہ اگر اس میں پہاڑ ڈالے جائیں تو ڈھول ہو جائیں۔ ابن ابی حاتم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کی ایک وادی کا نام ویل ہے جس میں کافر ڈالے جائیں گے۔ چالیس سال کے بعد تلے میں پہنچیں گے' اتنی گہرائی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ حدیث غریب بھی ہے منکر بھی ہے اور ضعیف بھی ہے اور ایک غریب حدیث میں ہے کہ جہنم کے ایک پہاڑ کا نام ویل ہے یہودیوں نے توراۃ کی تحریف کر دی۔ اس میں کمی یا زیادتی کی' آنحضرت ﷺ کا نام نکال ڈالا' اس لئے اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور توراۃ اٹھالی گئی اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ان کے ہاتھوں کے لکھے اور ان کی کمائی برباد اور ہلاک ہو۔ ویل کے معنی سخت عذاب' برائی' ہلاکی' افسوس' درد' دکھ' رنج و ملال وغیرہ کے بھی آتے ہیں۔ ویل' ویح' ویش' ویہ' ویلٹ' ویب سب ایک ہی معنی میں ہیں۔ گو بعض نے ان الفاظ کے جدا جدا معنی بھی کئے ہیں لفظ ویل نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بن سکتا لیکن چونکہ یہ معنی میں بددعا کے ہے اس لئے اسے مبتدا بنا دیا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے نصب دینا بھی جائز سمجھا ہے لیکن ویلا کی قرات نہیں۔ یہاں یہودیوں کے علماء کی بھی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے اور اپنے والوں کو خوش کر

کے دنیا کماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو؟ اللہ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی اپنی ہاتھ کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب کر دیا اس کی تشہیر کی۔ پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تبدیل کردہ کتاب کی کیا ضرورت؟ افسوس کہ وہ تم سے نہ پوچھیں اور تم ان سے دریافت کرتے پھرو۔ تھوڑے مول سے مراد ساری دنیا مل جائے تو بھی آخرت کے مقابلہ میں کمتر ہے۔ اور جنت کے مقابلہ میں بے حد حقیر چیز ہے۔ پھر فرمایا کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ رب العزت کی باتوں کی طرح لوگوں سے منواتے ہیں اور اس پر دنیا کماتے ہیں ہلاکت اور بربادی ہے۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف چند روز آگ میں رہیں گے۔ ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا کوئی پروانہ ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ اپنے وعدے کا خلاف نہیں کرے گا (ہرگز نہیں) بلکہ تم تو بے علمی سے اللہ تعالیٰ کے ذمہ باتیں گھڑ لیا کرتے ہو O

---

**چالیس دن کا جہنم:** ☆☆ (آیت: ۸۰) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں' یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں یہ لوگ چالیس دن تک آگ میں رہنا مانتے تھے کیونکہ ان کے بڑوں نے چالیس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی بعض کا قول ہے کہ یہ دھوکہ انہیں اس سے لگا تھا کہ وہ کہتے تھے کہ توراۃ میں ہے کہ جہنم کے دونوں طرف زقوم کے درخت تک چالیس سال کا راستہ ہے تو وہ کہتے تھے کہ اس مدت کے بعد عذاب اٹھ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے سامنے آ کر کہا کہ چالیس دن تک تو ہم جہنم میں رہیں گے۔ پھر دوسرے لوگ ہماری جگہ آ جائیں گے یعنی آپ کی امت۔ آپؐ نے ان کے سروں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا نہیں بلکہ تم ہی تم ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں پڑے رہو گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں' فتح خیبر کے بعد حضورؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہاں کے یہودیوں کو جمع کر لو۔ پھر ان سے پوچھا تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا۔ وہی ہمارا باپ ہے آپ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ سچ بتانا' انہوں نے کہا اے ابو القاسم ﷺ اگر جھوٹ کہیں گے تو آپؐ کے سامنے نہ چل سکے گا۔ ہم تو آزما چکے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت' آپؐ نے فرمایا' غلو ہرگز نہیں پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ اگر آپؐ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپؐ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ (مسند احمد' بخاری' نسائی)

بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۱

یقیناً جو بھی برے کام اور اس کی نافرمانیاں اسے گھیر لیں' وہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنتی ہیں جو جنت میں ہمیشہ رہیں گے O

جہنمی کون؟: ☆☆ (آیت:۸۱-۸۲) مطلب یہ ہے کہ جس کے اعمال سراسر بد ہیں جو نیکیوں سے خالی ہے' وہ جہنمی ہے اور جو شخص اللہ' رسول پر ایمان لائے اور سنت کے مطابق عمل کرے' وہ جنتی ہے۔ جیسے ایک جگہ فرمایا لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ الخ یعنی نہ تو تمہارے منصوبے چل سکیں گے اور نہ اہل کتاب کے' ہر برائی کرنے والا اپنی برائی کا بدلہ دیا جائے گا اور ہر بھلائی کرنے والا ثواب پائے گا۔ اپنی نیکوکاری کا اجر پائے گا مگر برے کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کسی مرد کا' عورت کا اور بھلے آدمی کا کوئی عمل برباد نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مطلب کفر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ مراد شرک ہے۔ ابو وائلؒ' ابوالعالیہؒ' مجاہدؒ' عکرمہؒ' حسنؒ' قتادہؒ' ربیع بن انسؒ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سدیؒ کہتے ہیں' مراد کبیرہ گناہ ہیں جو تہہ بہ تہہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ فرماتے ہیں' مراد شرک ہے' جس کے دل پر بھی قابض ہو جائے۔ ربیع بن خثیمؒ کا قول ہے جو گناہوں پر ہی مرے اور توبہ نصیب نہ ہو۔ مسند احمد میں حدیث ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں' گناہوں کو حقیر نہ سمجھا کرو' وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں' دیکھتے نہیں ہو کہ اگر کوئی آدمی ایک ایک لکڑی لے کر آئیں تو انبار لگ جاتا ہے۔ پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے۔ پھر ایمانداروں کا حال بیان فرمایا کہ جو تم ایسے عمل نہیں کرتے بلکہ تمہارے کفر کے مقابلہ میں ان کا ایمان پختہ ہے۔ تمہاری بداعمالیوں کے مقابلہ میں ان کے پاکیزہ اعمال مستحکم ہیں' انہیں ابدی راحتیں اور ہمیشہ کی مسکن جنتیں ملیں گی۔ اور اللہ کے عذاب و ثواب دونوں لازوال ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ
اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلا سلوک کرنا' اسی طرح قرابت داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور لوگوں کو اچھی باتیں کہنا۔ نمازیں قائم رکھنا اور زکو تیں دیتے رہا کرنا۔ لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا O

معبودان باطل سے بچو: ☆☆ (آیت:۸۳) بنی اسرائیل کو جو حکم احکام دیئے گئے اور ان سے جن چیزوں پر عہد لیا گیا' ان کا بیان ہو رہا ہے اور ان کی عہد شکنی کا ذکر ہو رہا ہے۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ توحید کو تسلیم کریں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں' یہ حکم صرف بنو اسرائیل کو ہی نہیں بلکہ تمام مخلوق کو دیا گیا ہے فرمان ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ یعنی تمام رسولوں کو ہم نے یہی حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ قابل عبادت میرے سوا اور کوئی نہیں۔ سب لوگ میری ہی عبادت کریں اور فرمایا وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ یعنی ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسرے معبودان باطل سے بچو۔ سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اس کے تمام حقوق میں بڑا حق یہی ہے کہ

اس کی عبادت کی جائے اور دوسرے کسی کی عبادت نہ کی جائے۔ اب حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا بیان ہو رہا ہے۔ بندوں کے حقوق میں ماں باپ کا حق سب سے بڑا ہے۔ اسی لئے پہلے ان کا حق بیان کیا گیا ہے ارشاد ہے اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میرا شکر کرو اور اپنے ماں باپ کا بھی احسان مان۔ اور جگہ فرمایا وَقَضٰى رَبُّكَ الخ تیرے رب کا فیصلہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان اور سلوک کرتے رہو۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا' یا رسول اللہؐ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا' نماز کو وقت پر ادا کرنا' پوچھا اس کے بعد فرمایا' ماں باپ کے ساتھ سلوک و احسان کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے پوچھا حضورؐ میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں؟ آپ نے فرمایا' اپنی ماں کے ساتھ' پوچھا پھر کس کے ساتھ' فرمایا؟ اپنی ماں کے ساتھ' پھر پوچھا کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ اور قریب والے کے ساتھ پھر اور قریب والے کے ساتھ۔ آیت میں لَا تَعْبُدُوْنَ فرمایا اس لئے کہ اس میں بہ نسبت لَا تَعْبُدُوْا کے مبالغہ زیادہ ہے۔ ''طلب'' یہ خبر معنی میں ہے۔ بعض لوگوں نے اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا بھی پڑھا ہے۔ ابی اور ابن مسعودؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ لَا تَعْبُدُوْا پڑھتے تھے۔ یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سر پرست باپ نہ ہو مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں۔ اس کی مزید تشریح ان شاء اللہ العظیم سورہ نساء کی اس معنی کی آیات میں آئے گی۔ پھر فرمایا لوگوں کو اچھی باتیں کہا کرو یعنی ان کے ساتھ نرم کلامی اور کشادہ پیشانی کے ساتھ پیش آیا کرو۔ بھلی باتوں کا حکم دو اور برائی سے روکا کرو۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں بھلائی کا حکم دو۔ برائی سے روکو۔ بردباری' درگذر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنالو۔ یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو' اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات تو کر لیا کرو (مسند احمد)۔ پس قرآن کریم نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دیا۔ پھر لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا۔ پھر اچھی باتیں کہنے کا۔ پھر بعض اہم چیزوں کا ذکر بھی کر دیا۔ نماز پڑھو۔ زکوۃ دو۔ پھر خبر دی کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور عموماً نافرمان بن گئے مگر تھوڑے سے پابند عہد رہے۔ اس امت کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ فرمایا وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ کے ساتھ' رشتہ داروں کے ساتھ' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ' قرابت دار پڑوسیوں کے ساتھ' اجنبی پڑوسیوں کے ساتھ' ہم مشرب مسلک کے ساتھ' مسافروں کے ساتھ' لونڈی غلاموں کے ساتھ سلوک' احسان اور بھلائی کیا کرو۔ یاد رکھو تکبر اور فخر کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ الحمد للہ کہ یہ امت بہ نسبت اور امتوں کے ان فرمانوں کے ماننے میں اور ان پر عمل پیرا ہونے میں زیادہ مضبوط ثابت ہوئی۔ اسد بن وداعہؓ سے مروی ہے کہ وہ یہودیوں اور نصرانیوں کو سلام کیا کرتے تھے اور یہ دلیل دیتے تھے کہ فرمان باری ہے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا لیکن یہ اثر غریب ہے اور حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث میں صاف موجود ہے کہ یہود و نصاری کو ابتداً السلام علیک نہ کیا کرو۔ واللہ اعلم۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ
اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ
دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ
اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ

بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾ ع

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں قتل نہ کرنا اور آپس والوں کو بلاوطن نہ کرنا۔ تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے شاہد بنے ○ لیکن پھر بھی تم نے آپس میں قتل کیا اور آپس کے ایک فرقے کو جلاوطن بھی کیا اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ان کے خلاف دوسروں کی طرفداری کی۔ ہاں قیدی بن کر تمہارے پاس آئے تو تم نے ان کے فدیئے دیئے لیکن ان کا نکالنا جو تم پر حرام تھا (اس کا کچھ خیال نہ کیا) کیا بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ تم میں سے جو بھی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی اور قیامت کے دن سخت عذابوں کی مار اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے مول لیا ہے۔ ان سے نہ تو عذاب ہلکے ہوں گے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ○

---

**اوس وخزوج اور دیگر قبائل کو دعوت اتحاد:** ☆☆ (آیت:۸۴-۸۶) اوس اور خزرج انصار مدینہ کے دو قبیلے تھے۔ اسلام سے پہلے ان دونوں قبیلوں کی آپس میں کبھی بنتی نہ تھی۔ آپس میں ہمیشہ جنگ وجدال رہتا تھا۔ مدینے کے یہودیوں کے بھی تین قبیلے تھے۔ بنی قینقاع' بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ بنو قینقاع اور بنی نضیر تو خزرج کے طرف دار اور ان کے بھائی بند بنے ہوئے تھے۔ بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا۔ جب اوس وخزرج میں جنگ ٹھن جاتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے۔ دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے' دیس نکالا بھی دے دیا کرتے تھے اور مال ودولت پر بھی قبضہ کر لیا کرتے تھے۔ جب لڑائی موقوف ہوتی تو مغلوب فریق کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں اس پر جناب باری تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ میرے اس ایک حکم کو تو تم نے مان لیا لیکن میں نے کہا تھا کہ آپس میں کسی کو قتل نہ کرو' گھروں سے نہ نکالو۔ اسے کیوں نہیں مانتے؟ کسی حکم پر ایمان لانا اور کسی کے ساتھ کفر کرنا یہ کہاں کی ایمانداری ہے؟ آیت میں فرمایا کہ اپنے خون نہ بہاؤ اور اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نہ نکالو۔ یہ اس لئے کہ ہم مذہب سارے کے سارے ایک جان کے مانند ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ تمام ایماندار دوستی' اخوت' صلہ رحمی اور رحم وکرم میں ایک جسم کے مثل ہیں۔ کسی ایک عضو کے درد سے تمام جسم بے تاب ہو جاتا ہے۔ بخار چڑھ جاتا ہے۔ راتوں کی نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان کے لئے سارے جہان کے مسلمانوں کو تڑپ اٹھنا چاہئے۔

عبد خیرؒ کہتے ہیں' ہم سلمان بن ربیعہؓ کی ماتحتی میں "بلنجر" میں جہاد کر رہے تھے۔ محاصرہ کے بعد ہم نے اس شہر کو فتح کیا جس میں بہت سے قیدی بھی ملے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں سے ایک یہودی لونڈی کو سات سو میں خریدا۔ راس الجالوت

کے پاس جب ہم پہنچے تو حضرت عبداللہ اس کے پاس گئے اور فرمایا یہ لونڈی تیری ہم مذہب ہے۔ میں نے اسے سات سو میں خریدا ہے۔ اب تم اسے مجھ سے خرید لو اور آزاد کر دو۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ میں چودہ سو دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں تو چار ہزار سے کم نہیں بیچوں گا۔ اس نے کہا پھر میں نہیں خریدتا۔ آپ نے کہا' سن یا تو' تو اسے خرید ورنہ تیرا دین جاتا رہے گا۔ توراۃ میں لکھا ہوا ہے کہ بنو اسرائیل کا کوئی بھی شخص گرفتار ہو جائے تو اسے خرید کر آزاد کیا کرو۔ اگر وہ قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو فدیہ دے کر چھڑا لیا کرو اور انہیں ان کے گھر سے بے گھر بھی نہ کیا کرو۔ اب یا تو توراۃ کو مان کر اسے خرید یا توراۃ کا منکر ہونے کا اقرار کر۔ وہ سمجھ گیا اور کہنے لگا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم شاید عبداللہ بن سلام ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ وہ چار ہزار لے آیا' آپ نے دو ہزار لے لئے اور دو ہزار لوٹا دیئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ راس الجالوت کوفہ میں تھا۔ یہ ان لونڈیوں کا فدیہ نہیں دیتا تھا جو عرب سے نہ بچی ہوں۔ اس پر حضرت عبداللہ نے اسے توراۃ کی یہ آیت سنائی۔ غرض آیت میں یہودیوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام الٰہیہ کو جانتے ہوئے پھر بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے۔ امانتداری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی۔ نبی ﷺ کی صفتیں' آپ کی نشانیاں' آپ کی نبوت کی تصدیق' آپ کی جائے پیدائش' جائے ہجرت وغیرہ وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور اتنا ہی نہیں بلکہ حضورؐ کی مخالفت کرتے تھے۔ اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کم نہ ہونے والے اور دائمی آخرت کا عذاب بھی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ہم نے (حضرت) موسیٰؑ کو کتاب دی اور ان کے پیچھے اور رسول بھی بھیجے اور ہم نے (حضرت) عیسیٰؑ بن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے اس کی تائید کرائی لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی تو تم نے جھٹ سے تکبر کیا۔ بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا ○

---

**خود پرست اسرائیلی:** ☆☆ (آیت: ۸۷) بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے کہ توراۃ میں تحریف و تبدل کیا حضرت موسیٰؑ کے بعد انہی کی شریعت اور آنے والے انبیاء کی بھی مخالفت کی چنانچہ فرمایا اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ الخ یعنی ہم نے توراۃ نازل فرمائی جس میں ہدایت اور نور تھا جس پر انبیاء خود بھی عمل کرتے اور یہودیوں کو بھی ان کے علماء اور درویش ان پر عمل کرنے کا حکم کرتے تھے۔ غرض پے در پے یکے بعد دیگرے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں آتے رہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ انہیں انجیل ملی جس میں بعض احکام توراۃ کے خلاف بھی تھے۔ اسی لئے انہیں نئے نئے معجزات بھی ملے جیسے مردوں کو بحکم رب العزت زندہ کر دینا' مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مار کر بحکم رب العزت اڑا دینا' بیماروں کو اپنے دم جھاڑے سے اللہ کے حکم سے اچھا کر دینا' بعض بعض غیب کی خبریں رب العزت کے معلوم کرانے سے دینا وغیرہ آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جبرئیل کو لگا دیا لیکن بنی اسرائیل اپنے کفر اور تکبر میں اور بڑھ گئے اور زیادہ حسد کرنے لگے اور ان تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ برے سلوک سے پیش آئے۔ کہیں جھٹلاتے اور کہیں مار ڈالتے تھے محض اس بنا پر کہ انبیاء کی تعلیم ان کی طبیعتوں کے خلاف ہوا کرتی تھی۔ ان کی رائے اور ان کے قیاسات اور ان کے بنائے ہوئے اصول و